تحقیق فقہ واصول فقہ، موضوع واہمیت-اجتہادی مطالعہ

Research on jurisprudence and principles of jurisprudence, subject matter and importance - Ijtihadi study

Dr. Haq Nawaz
The Orator, Religious Affairs Branch, DHA Lahore
Email: drhaqnawaaz@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0001-9925-9658

Abstract
The Qur'an and Sunnah contain complete guidance regarding our daily routines. The group that derives rulings from the Qur'an and Sunnah is called the jurists. Those who made ijtihad in these rules and explained to the Ummah in a clear way what is halal and haram, permissible and illegitimate. As if Islamic jurisprudence is the name of the practical interpretation of the Qur'an and Sunnah- The jurists worked hard on jurisprudence. Therefore, fiqh and usul fiqh have been defined differently. Jurisprudence is divided into three styles- Some said that jurisprudence is the name of conjecture, some said that definiteness is called jurisprudence, while according to the third group, both definite and conjectural rulings are called jurisprudence. In the same way, opinions differ with reference to the subject of jurisprudence. The basic sources of jurisprudence are Quran and Sunnah. Apart from this, in the sub-sources, like qiyas,istihsan,istishab e hal,masalih mursalah,urf o adat and qoul e sahabi etc. are important.
Keywords: Quran, sunnat, usool, fiqh, hadith, ajtihad, manhaj, ijma, qiyas, istisan

تعارف وابتدائیہ:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جس کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ عالم موجودات میں انسان کی فوزوفلاح اس کے جن اعمال سے وابستہ ہے وہ مکمل طور پر اسلامی تعلیمات میں موجود ہیں اور ان اعمال کی بنیادی تقسیم معاشرت، سیاست اور معیشت میں منقسم ہے۔ان اعمال کو سرانجام دینے کے تمام طریقوں کی بنیادی رہنمائی ہمیں قرآن وسنت سے ملتی ہے۔جو اپنی اصلی شکل میں موجود ہیں۔ان سے اعمال کی اصل شکل جانچنے کے لئے علمائے سلف نے اپنی تمام مساعی ان کو سمجھنے میں صرف کردیں اوراس میں کامیاب رہے۔انہوں نے اس میں تحقیق کے لئے متعدد علوم وضع کئے اور اصول وفروع بنائے۔ان محققین کرام نے قرآنی علوم میں تحقیق کی الگ الگ راہیں متعین کیں اور مختلف موضوعات پر بہت سی تحقیقی کتابیں مدون کیں۔جوکہ ایک بڑا سرمایہ ہے۔ایک جماعت نے قرآنی حروف کے مخارج ومحاسن اور صفات نیز رموزواوقاف پر بحث کی، تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ قرآنی حروف کی ادائیگی

کس طرح کی جائے اور قرآن میں کہاں ٹھہرا جائے اور کہاں نہیں۔اس علم کا نام علم قرات رکھا گیا۔ جبکہ ایک جماعت نے قرآنی الفاظ کے حرکات وسکنات پر بحث کی تاکہ اس کلام کے مقدس الفاظ محفوظ رہیں۔اس علم کو "علم لغت " کا نام دیا گیا۔ ایک گروہ نے قرآن مجید میں واقع افعال کے حال و مستقبل پر بحث کی اور یہ علم "علم الصرف" کے نام سے جانا جاتا ہے۔کچھ علمائے کرام نے قرآن مجید کے الفاظ کی عربی تحقیق کی جس کو "علم النحو" کا نام دیا گیا۔ بعض علماء نے اس کلام اللہ کی فصاحت وبلاغت ،وجہ اعجاز، حسن وخوبی بیان سے بحث کی اور یہ علم "علم البیان " کے نام سے مشہور ہوا[1]۔

محققین کی ایک جماعت نے اس عظیم کتاب کے فرمودات کی تحقیق اور معانی کی باریکی پر بحث کی جس کا نام "علم التفسیر " رکھا گیا۔[2] ایک گروہ نے اس کلام مقدس کے دلائل عقلیہ وشواہد اصلیہ پر گہری نظر ڈال کر اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کا ثبوت فراہم کیا اور یہ علم "علم الکلام کے نام سے مشہور ہوا۔ رب تعالیٰ کا وعدہ حق ثابت ہوا۔اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ[3]

اسی کتاب کے احکامات ودلائل کی حفاظت کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے فقہاء کی جماعت کو پیدا فرمایا۔ جنھوں نے کتاب اللہ میں غور وفکر کیا اور بتلایا کہ اس میں کچھ باتیں حلال ہیں اور کچھ حرام ہیں۔ پس اس علم کا نام "علم فقہ رکھا گیا۔ ایک جماعت نے اس کلام پاک کے خطابات میں غور وفکر کر کے معلوم کیا کہ اس میں بعض جگہ خطاب عام ہے اور بعض جگہ خاص ہے۔ بعض جگہ ایسے احکام ہیں جن پر بنی نوح انسان کو چلنا ہے اور بعض جگہ منہیات کا بیان ہے جن سے انسانیت کو بچنا ہے اس علم نے علم "اصول فقہ "کا نام پایا۔[4] مذکورہ سب علوم کی دریافت و تحقیق بتلاتی ہے کہ یہ گہرا اور وسیع سمندر ہے جس میں علم کے بے شمار موتی ہے۔ کیونکہ اس کتاب لاریب کے نازل کرنے والے نے خود اعلان فرمایا ہے۔

وَ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ[5] "اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے"

قرآن پاک کی سب سے پہلی جامع تفسیر و تشریح، قولی اور عملی ہر دو لحاظ سے جناب رسول ﷺ نے کی اسی لئے مسلمانوں کے دین کا سرمایہ اور ان کی شریعت کے متاع کل جناب رسول ﷺ کا نمونہ حیات ہے۔رسول ﷺ کے اقوال واحوال اور آپ ﷺ کے شب وروز کے معمولات ہی ان کے لئے سرچشمہ ہدایت ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول ﷺ کی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو حفظ کیا، خلوت و جلوت، سفر وحضر اور نجی حالات سے لے کر عام سیاسی معاملات تک حضور ﷺ کی زندگی کا کوئی واقعہ نہیں ہے مگر اس کو انہوں نے محفوظ کر لیا۔ جناب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول ﷺ کی احادیث کا تکرار کرتے اور سینوں سے لے کر صحیفوں تک انہیں محفوظ رکھتے۔ ان

کے بعد تابعین اور ان کے اتباع نے حفظ اور کتابت کے اس عمل کو جاری رکھا، یہاں تک کہ دوسری صدی ہجری کے بعد حدیث کی باقاعدہ تدوین شروع ہوئی اور ابواب وکتب کی ترتیب سے حدیث کی کتابیں مدون ہوئیں۔یوں ہمارے پاس حضور ﷺ کی جامع سیرت اور دین کی مکمل تصویر پر پہنچنے کا اہتمام ہوا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے اصول ومبادی اجمالاً بیان فرمائے، جن کی تعبیر وتشریح احادیث نبوی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ نیز احکام کی عملی صورت بیان کرنے کے لئے اسوہ رسول ﷺ کی ضرورت ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جناب رسول ﷺ کے اقوال وافعال کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔وَمَآ اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا[6]"رسول ﷺ تم کو جو دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ"

قرآن وسنت کے بطور ماخذ ہونے پر جو دو آیات ذکر کی گئی ہیں ان سے یہ بات اظہر من الشمس ہوتی ہے۔ کہ اسلامی شریعت کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے۔ قرآن پر اس لئے کہ وہ کلام الہیٰ ہے اور سنت پر اس لئے کہ وہ قرآن کا بیان ہے۔ احکام شریعہ کے مصالح اور علل پر مبنی ہونے کی بنا پر ایک تیسری اصل بھی متفرع ہوتی ہے جسے "قیاس" کہا جاتا ہے کیونکہ شارع نے اگر کسی حکم کی کوئی علت بیان کر دی ہے یا شارع کے کلام سے اجتہاد کے ذریعے کوئی علت مستنبط ہوتی ہے تو اس علت کے اشتراک کی بنا پر اس کو غیر منصوص احکام کے ساتھ ملحق کر دیا جاتا ہے اس کو "قیاس" کہتے ہیں۔[7] اسی علت مشترکہ کی بنا پر امت مسلمہ کے تمام مجتہدین، مستنبط حکم پر متفق ہو جائیں تو وہ خطاسے محفوظ ہو جاتے ہیں اس طرح ایک چوتھی اصل پیدا ہوتی ہے جسے "اجماع" کہا جاتا ہے اور یہ قیاس سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔[8] مذکورہ چار کو فقہ کی اصول اور ائمہ اربعہ کے نزدیک متفق علیہ مآخذ کا نام دیا جاتا ہے۔ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کئے جاتے ہیں۔مذکورہ چار متفق علیہ ماخذ کے علاوہ کچھ مختلف فیہ ماخذ بھی ہیں جن کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ ان میں استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، سد ذرائع، عرف وعادت، مذہب صحابی اور شرائع ما قبل ہیں۔

اصول فقہ کی کتابوں میں صراحۃً صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض ماخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تعبیر وتوجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قیاس کے عموم میں استحسان، استصلاح وغیرہ داخل ہیں اور اجماع میں تعامل اور رسم ورواج داخل ہیں۔ما قبل کی شریعت قرآن پاک کا حصہ ہے۔ سنت بھی اس کی شرح اور عملی زندگی میں اسی کی شکل ہے۔[9]

1: اصول کی لغوی واصطلاحی تعریف

موضوع چونکہ "فقہ" اور "اصول فقہ" ہے اس لئے فقہ اور اصول فقہ پر سیر حاصل بحث کرنا لازم ہے۔ اصول فقہ کی تعریف دو طرح سے کی گئی ہے۔

1. اصول فقہ میں اصول کی الگ اور فقہ کی الگ چونکہ اصول فقہ آپس میں مضاف مضاف الیہ ہیں اسلئے اس تعریف کو "حدِ اضافی" کہا جاتا ہے۔ اس تعریف اضافی سے جہاں اصول فقہ کا مفہوم واضح ہو گا وہیں فقہ کا معنی ومفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔
2. اصول فقہ مجموعہ کی تعریف جس کو حد لقبی کہتے ہیں۔

اصول فقہ کی تعریف اضافی (اصول اور فقہ کی الگ الگ تعریف)

"اصول" کا لغوی معنٰی: لفظ "اصول" "اصل کی جمع ہے صدر الشریعہ نے اصول کی تعریف کی۔

الاصل ما یبتنی علیہ غیرہ فالا بتناء شامل لابتناء الحسی وھوظاہر و ابتناء العقلی وھو ترتب الحکم علی دلیلہ۔[10] "اصل وہ چیز ہے جس پر کسی چیز کی بناء ہو۔ ابتناء شامل ہے ابتناء حسی کو جو کہ ظاہر ہے۔ اور ابتنا عقلی کو بھی شامل ہے اور ابتناء عقلی کا معنی ہے حکم کا اپنی دلیل پر مرتب ہونا"

امام رازی (606ھ) نے اصل کی تعریف کی "**المحتاج الیہ**"[11]۔ جبکہ امام اسنوی شافعیؒ (776ھ) نے ان تمام معانی کو بیان کیا ہے جو کہ علماء اصولیین نے بیان کئے پھر ان میں سے دو کو پسند کیا۔ امام الاسنوی رقمطراز ہیں۔ **فامامعناہ اللغوی فاختلوافیہ علی عبارات**

- **احدھما: ما یبنی علیہ غیرہ قالہ ابو الحسن البصری فی شرح العمد۔**
- **ثانیھا: المحتاج الیہ قالہ ا لا مام فی المحصول واصاحب التحصیل۔**
- **ثالثھا: مایستند تحققالشیء الیہ قالہ الا مدی فی الاحکام ومنتھی السؤل۔**
- **واربعھا: مامنہ الشیءقالہ صاحب الحاصل ۔**
- **خامسھا : منشاءالشیء قالہ بعضھم۔**

آخر میں فرماتے ہیں" **واقرب ھذہ الحدود ھو الاول والاخر**"-[12] "میرے نزدیک مذکورہ تمام حدود میں پہلا اور آخری معنی زیادہ اقرب ہے"۔ یہ معنی تو اصول کے لغوی اعتبار سے تھے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل اس چیز کا نام ہے جو کسی بھی دوسری چیز کے لئے بنیاد کی حیثیت میں ہو اور دوسری چیز اس صل کی محتاج ہو۔

اصول کی اصطلاحی تعریف

لفظ "اصل "اصطلاح میں کئی معنی رکھتا ہے۔

امام اسنوی نے اصل کے چار اصطلاحی تعریفات کی ہیں- واما فی الاصطلاح فله اربعة معان"

- احدها"الدليل-كقولهم اصل هذه المسئلة الكتاب والسنة،اى دليلها ومنه ايضا اصول الفقه اى ادلته
- الثانى" الرجحان -كقولهم الاصل فى الكلام الحقيقة اى الراجح عند السامع هو الحقيقة لا المجاز-
- الثالث"القاعد المستمرةكقولهم اباحة الميتة للمضطر على خلاف الاصل-
- الرابع"الصورة المقيس عليهاعلى اختلاف مذكورفى القياس فى تفسيرالاصل[13]

ان چار تعریفات میں حقیقتاً اصل کی چار الگ حیثیتیں بیان کی گئی ہیں۔اصل کا ایک معنی 'دلیل' ہے کہ قرآن پاک میں اس مسئلہ کی دلیل کیا ہے وہ اس مسئلہ کی اصل کہلائے گی۔اصل کی ایک تعریف 'رجحان' سے کی گئی ہے کہ حقیقت ومجاز میں سے اصل حقیقت ہو گا۔جبکہ اصل کا ایک معنی 'قاعدہ مستمرہ اور ہمیشگی والا قاعدہ' بھی ہے اور اصل کا ایک معنی اصول فقہ کی اصطلاح میں وہ ہے کہ 'جس پر کسی دوسری چیز کو قیاس کیا جائے'۔

2:فقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

فقہ کا لغوی معنیٰ

فقہ کے معانی میں بھی کافی وسعت ہے۔

- صاحب لسان العرب نے فقہ کا معنیٰ "فهم "ذکر کیا ہے صاحب لسان العرب نے لکھا ہے۔
  والفقه،فى الاصل الفهم يقال اوتى فلان فقها فى الدين اى فهما منه[14] -

فقہ اصل میں فہم کا نام ہے جب کہا جائے فلاں کو دین میں فقہ عطا ہوئی تو معنی ہوتا ہے دین کی سمجھ عطا ہوئی۔

- ابن منظور افریقی نے فقه فقها کا معنی کیا ہے عَلِمَ عِلماً۔[15]

معلوم ہوا لغوی اعتبار سے ہر وہ چیز جس کی انسان کو سمجھ آجائے اس کے لئے فقہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

فقہ کا اصطلاحی معنی

فقہ کی اصطلاحی تعریف اختلاف الفاظ کے ساتھ فقہاء نے بیان کی ہے جس کی وجہ سے معنیٰ میں بھی قدرے اختلاف آگیا مگر معنوی اشتراک زیادہ اور اختلاف کم ہے۔فقہ کی سب سے وسیع تعریف امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بیان کی ہے مگر زمانے

کے ساتھ ساتھ فقہ کے دائرے میں تنگی آتی گئی۔ امام صاحب نے فقہ کی تعریف کی۔"**معرفة النفس مالها وما عليها**"[16] فقہ سے مراد ہے نفس کی معرفت اس چیز کی جو اس کے لئے مفید ہے اور جو اسکے لئے نقصان دہ ہے۔

فقہ کی اس تعریف میں علم الکلام اور علم تصوف بھی فقہ میں شامل ہو گئے۔ فقہاء کرام نے جو فقہ کی مختلف تعریفات کی ہیں ان کو تین مختلف اسالیب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ پہلے اسلوب کے حامل اصولیین نے ظنیات کے علم کو فقہ کا نام دیا ہے۔ یہ اسلوب ابو الاسحاق شیرازی شافعی (ت:476ھ) کا ہے جنھوں نے فقہ کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے،"**والفقه معرفة الاحكام الشرعية اللتى طريقها اللاجتهاد**"[17] فقہ احکام شرعیہ کی معرفت کا نام ہے جو اجتھاد سے حاصل ہوتی ہے"

2۔ دوسرے اسلوب کے حامل اصولیین نے صرف قطعیات کے علم کو فقہ کا نام دیا ہے۔ ان میں الہام حنفی (ت:861ھ) شامل ہیں جن کے مطابق احکام شرعیہ کے صرف علم کا نام فقہ ہے اور احکام مظنونہ کے علم فقہ نہیں کہہ سکتے۔"[18]

3۔ تیسرے اسلوب کے حامل اصولیین نے نہ صرف ظنی احکام کے علم کو فقہ کہا ہے بلکہ اس تعریف میں عمومیت اور وسعت ظاہر کی ہے اور اس طریق کے بانی علامہ صدر الشریعہ ہیں جنھوں نے فقہ کی تعریف میں وسعت پیدا کر کے جامع فقہ اور جامع اصول الفقہ کی راہ ہموار کی ہے اور ظنی اور قطعی ہر دو احکامات کے علم کو فقہ کا نام دیا ہے۔

3: قرآن وحدیث میں لفظ فقہ کا استعمال

قرآن وحدیث میں لفظ فقہ متعدد بار مختلف صیغوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ مثلا

1. فَمَالِ هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا[19]' تو اس قوم کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے۔
2. ليتفقهوافى الدين'[20] 'انہیں چاہیے کہ دین کی سمجھ پیدا کریں'۔
3. قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ[21] 'وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تم کہتے ہو'۔
4. رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ، وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ ، وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِسَانِيْ ، يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ[22] "میرا سینہ کھول دے، اور میرے لئے میرا کام آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں"

قرآن پاک کے علاوہ احادیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے۔

1. **من يرد الله به خيراً يفقه فى الدين**[23] 'جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے'۔

2. **اذا اراداللہ عزوجل بعبد خیراً یفقہ فی الدین**[24] جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ عطاء کرتے ہیں۔

3. **اللھم فقہ فی الدین** [25] اے اللہ اس کو دین کا فہم عطا فرما۔

یہ چند آیات واحادیث اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اگرچہ فقہ یا اصول فقہ کا استعمال تو بعد میں ہوا مگر یہ لفظ اہل اسلام کے لئے نیا نہ تھا کیونکہ اس لفظ کا کثرت سے استعمال قرآن وحدیث میں ہوا ہے۔

4:اصول فقہ کی تعریف

اصول فقہ کی حد لقبی (مضاف، مضاف الیہ کی اکٹھی تعریف)

- صدر الشریعہ نے اصول فقہ کی تعریف لقبی ان الفاظ میں کی ہے۔

  العلم بالقواعد اللتی یتوصل بھا الیہ علی وجہ التحقیق۔[26]

- امام رازی شافعیؒ (606ھ) نے اصول فقہ کی تعریف یوں کی ہے- **اصول الفقہ عبارة من مجموع طرق الفقہ علی سبیل الاجمال وکیفیة الاستدلال بھا وکیفیية المستدل بھا۔**[27]

- ابن حاجب مالکی (646ھ) نے اصول فقہ کی تعریف یوں کی ہے۔ **العلم بالقواعد اللتی یتوصل بھا الی استنباط الاحکام الشریعة العلمیة من ادلتھا التفصیلیہ۔**[28]

اصول فقہ کی ان تینوں اصطلاحی تعریفات سے یہ بات سمجھ میں آئی کہ یہاں اصول بمعنی 'بناء' جو لیا گیا ہے اس سے مراد وہ ابتناء عقلی ہے جو فقہ میں مسائل کے لئے بنیاد اور دلیل فراہم کرے۔ فقہی مسائل میں دلیل فراہم کرنا یہ اصول فقہ کا کام ہے اور فقہاء کا کام یہ ہے کہ وہ مسئلہ کو ادلہ مستنبطہ تفصیلیہ سے حاصل کریں۔ فقہ کے احکام کے لئے بنیاد اصول فقہ ہے۔

5:اصول فقہ کا موضوع

کسی بھی علم کا موضوع وہ چیز ہوتی ہے جس کے عواض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے۔ جیسا کہ طب کا موضوع 'بدن انسانی' ہے نحو کا موضوع 'کلمہ اور کلام' ہے فقہ کا موضوع "مکلف کا فعل" ہے

اصول فقہ کے موضوع سے متعلق تین مشہور آراء ہیں۔

1. اصول فقہ کا موضوع ادلہ ہے۔
2. اصول فقہ کا موضوع احکام ہے۔

3. اصول فقہ کا موضوع "ادلہ اور احکام" دونوں ہیں۔

اول الذکر کو عبد الکریم نملہ نے جمہور کا مذہب قرار دیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اصول فقہ کا موضوع ادلہ ہیں وہ اس حیثیت سے کہ ادلہ ہی احکام شرعیہ عملیہ تک پہنچانے والے ہیں۔ عبد الکریم نملہ نے نہ صرف اس مؤقف کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ یوں بھی کہا "**هو الصحيح عندي**" جس سے ان کے اپنے مؤقف کی وضاحت بھی ہوگئی۔[29]

"لقد اختلف فی موضوع علم اصول الفقه على مذهبين .المذهب الاول ان موضوع اصول الفقه هو الادلة الاجمالية وهو مذهب الجمهور"۔[30]

علامہ آمدی شافعی کا بھی یہی مؤقف ہے کہ اصول فقہ کا موضوع ادلہ اربعہ ہیں ان کے نزدیک اصول فقہ میں احکام سے بحث نہیں کی جاتی بلکہ احکام کا تصور کافی ہوتا ہے۔ اور وہ تصور بھی اسی لئے ہوتا ہے کہ احکام کا اثبات ادلہ سے ہوتا ہے۔ علامہ آمدی لکھتے ہیں- **الادلة الموصولة الى الاحكام الشرعية المبحوث عنها فيه كانت هى موضوع علم الاصول**[31] دوسرا موقف یہ ہے کہ اصول فقہ کا موضوع احکام شرعیہ ہیں کیونکہ ہر حکم دلیل سے ہی اخذ کیا جاتا ہے تو دلیل بھی اسی لئے ہوتی ہے کہ اس سے حکم مرتب کیا جاسکے۔[32]

تیسرا معروف مذہب یہ ہے کہ اصول فقہ کا موضوع ادلہ اور احکام دونوں ہیں ادلہ اس لحاظ سے کہ ان سے احکام ثابت ہوتے ہیں اور احکام اس لحاظ سے کہ وہ دلائل سے ثابت شدہ ہیں یعنی ادلہ ثابت کرنت والے اور احکام ثابت شدہ ہوتے ہیں۔ 33 المہذب میں ہے: **موضوع ولم اصول الفقه هو الادله والاحكام معاً وزهب الى ذلک بعض العلماء كصدرالشريعة وسعد الدين التفتازانى و بعض العلماء۔**[34]

صدر الشریعہ اور علامہ تفتازانی نے اپنے نقطہ نظر کو ہی راجح قرار دیا ہے اور کہا کہ ہم نے دیکھا کہ بعض احوال اور مباحث تو ادلہ کی طرف راجع تھے لہذٰا ادلہ اور احکام دونوں موضوع ہیں البتہ ادلہ کے مباحث اکثر اور اہم ہیں۔ صدر الشریعہ نے ادلہ کے عوارض کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

1. وہ عوارض ذاتیہ جن سے بحث ہوتی ہے اور وہ ان ادلہ سے احکام کو ثابت کرنا ہے۔
2. وہ جن سے علم میں بحث نہیں ہوتی لیکن ان کے لئے عوارض ذاتیہ "مبحوث عنها" کے ساتھ ملحق ہونے میں داخل ہیں جیسے ان کا عام ہونا یا مشترک ہونا یا خبر واحد ہونا وغیرہ۔

3. بعض وہ عوارض ذاتیہ ہیں جو نہ تو "مبحوث عنھا" ہیں اور نا "مبحوث عنھا" کے ساتھ ملحق ہونے میں ان کے لئے دخل ہے جیسے ادلہ کا قدیم ہونا یا حادث ہونا وغیرہ۔[35]

عبد الکریم نملہ نے مذکورہ اختلاف کو اختلاف لفظی قرار دیکھتے ہوئے کہا ہے

والخلافهنا لفظى لان كلا من الفريقين قد ذكر الادلة والاحكام وبحثهما فى اصول الفقه و لكن اصحان الاول قد بحثو الاحكام على انها تابعة و اصحاب المذهب الثانى قد بحثوها على انها اصلية۔[36]

کہ یہ اختلاف لفظی ہے۔ تمام فریقوں نے اپنی اپنی کتب میں ادلہ پر بحث کے ساتھ ساتھ احکام پر بحث کی ہے۔ کسی فریق نے محض ادلہ سے یا محض احکام سے بحث نہیں کی۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ جنھوں نے ادلہ کو موضوع کہا ہے انہوں نے اس حیثیت سے بحث کی ہے کہ ادلہ اصل ہے خواہ وہ ادلہ تفصیلیہ ہو یا ادلہ اجمالیہ اور جن فقہاء کرام نے احکام سے بحث کی ہے انہوں نے اس حیثیت سے بحث کی ہے کہ یہ احکام ادلہ کے تابع ہے لہذٰا انہوں نے ان کے تابع ہونے کی حیثیت سے بحث کی ہے۔ لہٰذ ابنیادی اختلاف حیثیت کا ہے۔ جس کو محض نزاع لفظی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

6: فقہ واصول فقہ کی ضرورت واہمیت

علوم اسلامیہ میں فقہ و اصول فقہ کو خاص مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ یہ علوم اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہیں۔ ان علوم میں قرآن و سنت کی روح ہے فقہ ہو یا اصول فقہ یہ شریعت اسلامیہ کے مذاج و مذاق کے حقیقی ترجمان بھی ہیں اور ایک مسلمان کے لئے اسلام کے مطابق زندگی گزرانے کے لئے مشعل راہ بھی ہے۔ اس لئے اصول اسلامیہ میں ان کی اہمیت واضح ہے۔ زمانہ ماضی میں بھی ان کی ضرورت محسوس کی جاتی رہی، زمانہ موجود میں بھی اسی طرح محسوس کی جاتی ہے اور آئندہ بھی علماء فقہاء اور مجتہدین کرام قرآن و سنت میں غوطہ ظن ہو کر فقہی اصولوں کے ذریعے امت کو پیش آمدہ مسائل میں ان کی رہنمائی کرتے رہے تھے۔ علوم اسلامیہ میں فقہ و اصول فقہ کو ایسا ہمہ جہتی اور عالمگیر مقام حاصل ہے کہ جو ہر ہر مسلمان کی زندگی کے ایک ایک لمحہ سے مکمل مربوط ہے اس کے بغیر انسانی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے غرض یہ کہ فقہ قرآن و سنت سے اخذ شدہ اصولوں کی روشنی سے تیار شدہ احکامات کی وہ گاڑی ہے کہ جس کے ذریعے حیات انسانی مکمل زادراہ کے ساتھ اپنی منزل مقصود (جنت) تک با آسانی پہنچ سکتی ہے۔ یہاں یہ بات بھی خوب سمجھنے کی ہے کہ فقہ اسلامی کی بنیاد قرآن و سنت ہیں محض عقل و قیاس نہیں۔ چنانچہ علامہ مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں۔

"فقہ کے یہ معنٰی نہیں کہ شریعت میں اپنی طرف سے کسی چیز کا اضافہ عقل کرتی ہے بلکہ وہی بات یعنی نتائج واحکام کا جو روغن وحی ونبوت کے ان معلومات میں چھپا ہے عقل کی مشین انہیں کو اپنی طاقت کی حد تک ان سے نچوڑنے کی کوشش کرتی ہے اسی کوشش کا نام اجتھاد ہے۔37

یوں تو طلوع اسلام کے ساتھ ہی فقہ اسلامی کا آغاز ہو گیا تھا۔ لیکن چوں کہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں لوگ انتہائی سادہ، اور ضروریات محدود تھیں، اسی وجہ سے فقہائے صحابہ رضی اللہ عنھم کی توجہات اس کی تدوین کی طرف مبذول نہ ہو سکیں، پھر حالات کے تقاضے کے پیش نظر فقہائے مدینہ نے تدوین فتاویٰ کی داغ بیل ڈالی اور فقہائے کوفہ نے فتاویٰ وقضایا کے جمع وترتیب پر زور دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے ایسے فتاویٰ اور ان کے مبادیات کو ایک مجموعہ کی شکل میں جمع کیا تھا، اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس اور حماد رحمہ اللہ کے پاس بھی ایک مجموعہ تھا۔[38]لیکن فقہ اسلامی کی باضابطہ فقہی ابواب کے مطابق تدوین کا سہرا حضرت امام حنیفہ کے سر ہے۔ جس کی تائید امام موفق مکی کی تحریر سے یوں ہوتی ہے۔

"امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی نے سب سے پہلے علم شریعت (فقہ) کی تدوین کی ان سے پہلے یہ کام کسی اور نے نہیں کیا"۔[39]

عہد رسالت کے بعد جب اسلام کی حدود بہت بڑھ گئیں، قیصر وکسریٰ کی حکومتیں اسلام کے زیر نگیں ہو گئیں، یورپ میں اندلس تک افریقہ میں مصر اور شمال افریقہ تک اور ایشیا میں ایشیائی ترکستان اور سندھ تک اسلام پھیل گیا تو اسلام کو نئے تمدن، نئی تہذیب اور نئی معاشرتوں سے سابقہ پڑا "وسائل اور مسائل کی نئی نئی قسمیں پیدا ہو گئیں تو تابعین کے آخر عہد میں علماء کی ایک جماعت نے (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی قیادت میں) کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر اس کے مقرر کردہ قوانین وحدود کے مطابق ایک ایسا ضابطہ حیات مرتب کرنا چاہا جو ہر حال میں مفید، ہر طرح مکمل اور ہر جگہ قابل عمل ہو۔[40]

اسی لئے تاریخ کے ہر دور میں اس فن پر زمانہ کی بہترین ذہانتیں صرف ہوتی رہیں۔ اسی کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مفتی ظفیر الدین صاحب کے مطابق فقہ وفتاویٰ ایسا فن ہے کہ ہر ایک اس کا محتاج ہے۔ اس لئے کہ انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ فقہ اور اس کے اصول وجزئیات سے پڑتا ہے اور جس قدر آئے دن پیش آنے والے مسائل کا جواب یہاں ملتا ہے کہیں اور سے ممکن نہیں"۔[41] اس کی غیر معمولی حیثیت کا اندازہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی اس تحریر سے بھی ہوتا ہے۔

"مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا اصل سبب ہے اس لچک کی عملی اور قانونی تشکیل جو اسلام میں ایک عالمگیر مذہب ہونے کی حیثیت سے موجود ہے"[42]

یہ معلوم ہو چکا کہ فقہ دراصل قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے۔ جیسا کہ جناب سرور صاحب مولانا عبد اللہ سندھی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ مولانا سندھی کے نزدیک اسلامی فتوحات کے بعد قرآن کے قانون کو آگے چلانے کے لئے فقہاء کرام کے مختلف مذاہب اسی مقصد کو پورا کرنے کے لئے وجود میں آئے۔[43] فقہ کی آفاقیت اور فقہاء کی عبقریت نیز خلوص وللہیت کے سوا اسے کیا کہا جاسکتا ہے کہ امت محمدی کے اساطین، تبحرین اور علم کے پہاڑوں نے نہ صرف یہ کہ اس فن کی تائید کی بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور اسے اپنی پلکوں پہ سجانے میں سعادت مندی سمجھی۔ چنانچہ فقہ کی عظمت کو چار چاند لگاتے ہوئے۔

علامہ انور شاہ کشمیری اس طرح گویا ہیں:

"ہر علم وفن میں اپنی مخصوص رائے رکھتا ہوں، کسی کا مقلد نہیں باستثنائے فقہ کہ اس میں میری کوئی رائے نہیں، ابو حنیفہ کی تقلید کرتا ہوں"[44]

یہاں آکر ذہن میں ایک خلش پیدا ہو سکتی ہے کہ آخر قرآن وحدیث کی موجودگی میں فقہ کی کیا ضرورت تھی؟ تو اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کتاب وسنت کے نصوص میں احکام کا دائرہ محدود و متناہی ہے، اس کے برخلاف حوادثِ زمانہ غیر محدود اور لامتناہی ہیں، آئے دن نئے نئے مسائل اور مشکلات جنم لیتے رہتے ہیں، اب اگر قرآن وحدیث کے نصوص میں غور وفکر کرکے ان مسائل کا حل تلاش نہ کیا جائے تو یہ شریعت محمدی بالکل جامد و معطل ہو کر رہ جائے گی، اس میں زمانے کے بدلتے ہوئے حالات و تغیرات کو اپنے اندر سمونے کی گنجائش نہیں رہے گی۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی یہ شریعت کامل ہے اور قیامت تک کی انسانیت کے لئے آخری شریعت ہے۔ انھیں باتوں کے پیش نظر خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے ایک چراغِ راہ کی ضرورت پڑی کہ جس کی روشنی میں انسان بآسانی منزل مقصود تک پہنچ سکے، اسی مشعل راہ کو "فقہ" کہا جاتا ہے۔ اللہ ان ائمہ مجتہدین کا بھلا کرے جنھوں نے ہمیں اپنی منزل کا نشان بتایا، اب ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم ان کی دی ہوئی روشنیوں کے ذریعے مراد تک رسائی حاصل کریں، خاص طور پر دور حاضر میں جب کہ ہر طرف جدید ٹیکنالوجی کی صدائیں گونج رہی ہیں اور لوگوں کیلئے راہ راست سے پھسلنے کے بے شمار اسباب مہیا ہیں، اس فن کے تئیں دوہری ذمہ داری آجاتی ہے۔

7: فقہ اسلامی کے ذیلی ماخذ

1۔ قیاس

فقہ اسلامی اور اجتہاد کے ذیلی ماخذ میں سر فہرست "قیاس" ہے۔ قیاس کی بہت سی تعریفات کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مشترکہ علت کی بنا پر اصل کا حکم فرع پر لگانا۔ جامع ترین تعریف امام ابوزہرہ نے کی ہے۔

'الحاق امرغیر منصوص علی حکمه بامرآخر منصوص علی حکمه للاشتراک بینهمافی علة الحکم'۔[45]

حکم کی علت میں مشارکت کے باعث غیر منصوص امر کا حکم امر منصوص کے مطابق بیان کیا جائے۔

قرآن و سنت، آثارِ صحابہ اور عقلاً قیاس کی اہمیت اور حجت پر بیسوں دلائل موجود ہیں۔ قیاس کے چار ارکان ہیں۔ 1۔ اصل 2۔ فرع 3۔ حکم 4۔ علت۔ یعنی سب سے پہلے وہ اصل ہو جو فرع کے لیے حکم کی بنیاد بنے اور اس اصل میں ایسی علت موجود ہو جو فرع میں بھی پائی جائے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

'الحنطة بالحنطه والشعیر بالشعیروالتمربالتمر والملح بالملح والذهب بالذهب والفضة بالفضة مثلاًبمثل ید بید والفضل ربا'۔[46] گندم گندم کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، نمک کے بدلے میں، سونا سونے کے بدلے میں اور چاندی چاندی کے بدلے میں برابر اور نقد و نقد خرید و فروخت کی جائے گی زیادتی ربا ہے۔

اب حدیث میں چھ چیزوں کا ذکر ہے مگر قیاساً پہلے علت نکالی جائے گی۔ جو کہ احناف کے نزدیک جنس اور قدر ہے۔ اب ان چھ کا ذکر تو اصل میں ہے دیگر اشیاء مثلاً چاول چاول کے بدلے جب فروخت کریں گے تو اسی بات کا خاص خیال رکھنا ہو گا کہ وہ برابر برابر ہوں اور نقد معاملہ ہو ادھار بھی ناجائز ہے اور کمی بیشی بھی قیاساً ناجائز ہو گی۔

2۔ استحسان

فقہ اسلامی کے ذیلی مآخذ میں قیاس کے بعد سر فہرست استحسان ہے۔ امام کرخی (340ھ) نے استحسان کی تعریف یہ کی ہے۔

الاستحسان هوان یعدل الانسان عن ان یحکم فی المسئلة بمثل ماحکم به فی نظائرهاالی خلافه بوجه اقوی من الاول یقتضی العدول عن الاول [47]

دیگر تعریفات بھی استحسان کی گئی ہیں مگر علماء احناف کے نزدیک اس تعریف کو جامع قرار دیا گیا ہے۔

صدر الشریعہ کے مطابق استحسان کہتے ہیں۔

هو دليل يقابل القياس الجلي الذي يسبق اليه الافهام. [48]

تعریفات کا خلاصہ نکالا جائے تو یہ خلاصہ بنے گا کہ استحسان قیاس جلی کے معارض ہوتا ہے۔ذہن اس کی طرف سبقت کرتا ہے۔استحسان کے تمام فقہاء کرام قائل ہیں سوائے امام شافعی کے۔[49]

استحسان کی اقسام

1۔استحسان نصی: کسی معاملہ میں قیاس ظاہر، قاعدہ کلیہ یا لغوی اطلاق چھوڑ کر نص شرعی کے ذریعے ثابت شدہ خصوصی حکم کو اپنانا۔ اس کو استحسان سنت بھی کہتے ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "**من كان منكم قهقهة فليعد الوضوء و الصلوة**"[50] جو تم میں سے نماز میں قہقہہ لگائے تو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے

2.استحسان اجماع: قیاس و قواعد کا تقاضا چھوڑ کر قولی یا تعاملی اجماع کی بناء پر ثابت ہونے والا خصوصی حکم اپنانا۔[51]

مثال: حمام میں جا کر پیسوں کے عوض غسل کرنا از روئے قیاس ممنوع ہے کیونکہ اجرت متعین ہونے کے باوجود حمام میں ٹھہرنا اور پانی کا استعمال متفاوت ہے لیکن استحساناً اس صورت کے جواز پر اجماع ہے۔[52]

3۔استحسان قیاسی: کسی مسئلہ میں دو وصف ہوں جو دو مختلف قیاسوں کا تقاضا کریں ایک قیاس ظاہر کا دوسرا قیاس خفی کا۔[53]

4۔استحسان مصلحی: قیاسی احکام سے باعتبار نتائج مصالح شرعی فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو قیاس کو چھوڑ کر متبادل مصلحی احکام کو اختیار کرنا۔[54]

5۔استحسان ضرورت: دفعہ حرج کے لیے قیاسی احکام چھوڑ کر متبادل رخصتی و استثنائی احکام اپنانا۔

جیسے **الضرورات تبيح المحضورات**۔ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں

علامہ عبد العزیز بخاری نے تصریح کی ہے کہ "**لاشك ان للضرورة اثرفي سقوط الخطاب**"۔[55]

ترجمہ بلاشبہ ضرورت خطاب کے سقوط میں اثر رکھتی ہے۔

6۔استحسان عرفی: مقبول عرف و عادت کی رعایت کی بناء پر قیاس کو چھوڑ دینا۔ رعایت رفق و یسر اور رفع حرج اور مشقت کی بناء پر۔[56]

3۔استصحاب حال

فقہ کی ضمنی ماخذ میں سے استصحاب حال ہے۔اس کی بھی مختلف تعریفات کی گئی ہیں واضح ترین تعریف علامہ بدر الدین زرکشی (794ھ) نے کی ہے۔۔

ان ما ثبت في الزمن الماضى فالا صل بقاءه فى الزمن المستقبل۔[57]

استحساب حال کی تائید اس فقہی قاعدہ سے بھی ہوتی ہے۔**الاصل بقاء ما كان على ما كان**.[58]

تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو حکم زمانہ ماضی سے چلا رہا ہوں وہ زمانہ حال و استقبال پر بھی اپنی حالت پر قائم رہے گا چاہے وہ حکم وجودی ہو، سدمی ہو، عقلی ہو یا شرعی۔[59] جیسے زمانہ ماضی میں کسی نے دوسرے کو کوئی چیز ہدیہ کی تو اب حال و مستقبل میں وہ اسی بندے کی ملکیت رہے گی۔ جب تک کہ اس کے خلاف بینہ قائم نہ ہو جائے کہ اب یہ چیز اس کی ملکیت میں نہیں رہی۔ احناف کے علاوہ ائمہ کرام نے استحصاب سے خوب کام لیا احناف اس کو آخری درجہ پر رکھتے ہیں۔ علامہ خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"**هو آخر مدار للفتوى** "[60]استحساب فتوی کی آخری مدار پر ہے۔

4۔ مصالح مرسلہ

کسی منفعت کے حصول یا مضرت و تنگی کو زائل کرنے کے لیے مقصود شارع کی حفاظت کرتے ہوئے ایسی مصلحت کو قبول کیا جائے گا جو شہوات و بے راہ روی سے خالی ہو اور نصوص شرعیہ سے متعارض نہ ہو۔[61]

مصلحت کے حوالہ سے مقاصد شریعت کی فصل میں تفصیلی بحث ہو گی۔ مصالحہ مرسلہ کے مطابق قاعدہ'**الضرورات تبيح المحظورات**' ضروریات ممنوعات کو بھی مباح کر دیتی ہیں۔[62]

5۔ عرف وعادت

عرف و عادت بھی دلیل شری کی بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ عرف کی تعریف مصطفی محمد زرقاء کے مطابق"**اما فی الاصطلاح الفقهى فان العرف هو عاده جمهور قوم فی قول و عمل**"-[63]

ترجمہ:۔ اصطلاح فقہ میں عرف قوم کی اکثریت کی عادت کا نام ہے خواہ وہ قول میں ہو یا عمل میں۔

عرف کی قبولیت کے لیے فقہاء کرام نے چند شرائط بھی واضح کی ہیں اگر ان شرائط پر تو عرف درست ورنہ فاسد ہو گا اس حوالہ سے فقہی قاعدہ۔**العادة محكمة** اور **الحقيقة تترك بد لالة العادة** وغیرہ دلالت کرتے ہیں۔

6۔ قول صحابی

ذیل اور ضمنی مآخذ میں صحابہ کرام کے اقوال کو خاص مقام حاصل ہے امام ابوزہرہ فرماتے ہیں۔

الا ئمه الاربعة كا نو يتبعون اقوال الصحابه ولا يخرجون عنها۔[64]

ائمہ اربعہ میں سے کوئی بھی اور قول صحابی سے خروج کا قائل نہیں۔ تمام ائمہ صحابی کے قول کی اتباع کرتے ہیں۔

7۔ سدذرائع

'سد'لغت میں بند کرنے کو کہتے ہیں۔'ذریعہ 'لغت میں کسی چیز تک پہنچانے والے وسیلہ کو کہتے ہیں۔[65]

اصطلاحی تعریف ہے'ذرائع سے مراد وہ مباحات جو کہ محرمات تک رسائی کا سبب بنیں۔[66]

امام قرطبی کے مطابق:**الذریعه عبارة امر غیر ممنوع لنفسه یخاف من ارتکابه الوقوع فی ممنوع۔**[67]

یعنی ایسا عمل جو بذات خود جائز ہو لیکن اس کے ارتکاب سے کسی ممنوع چیز میں واقع ہونے کا خوف ہو۔

سد ذرائع امت محمدیہ کی خصوصیت ہے کہ شریعت محمدیہ میں محض معاصی و فواحش حرام نہیں بلکہ ان تک پہنچانے والے ذرائع بھی حرام ہیں۔[68] جیسے طلوع آفتاب کے وقت نماز ممنوع ہے تاکہ پرستش آفتاب کا شبہ بھی نہ ہو۔[69]

8۔شرائع ماقبلنا(پہلی شریعتیں)

ما قبل شرائع کے احکام تین طرح کے ہیں۔

1. جو پچھلی اقوام کے ساتھ مخصوص تھے۔جیسے ان پر چربی کا حرام ہونا، کپڑوں پر نجاست لگ جائے تو اس کو کاٹنا۔
2. جو گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی لازم ہے۔
3. گزشتہ اقوام پر لازم تھے ہم پر ہیں یا نہیں اس کی تصریح موجود نہیں کہ ہم پر لازم ہیں یا نہیں۔جمہور احناف اور بعض مالکیہ اور شوافع کا موقف یہ ہے کہ یہ ہم پر لازم ہیں۔کیونکہ اگر لازم نہ ہوتے تو تصریح ہوتی۔جیسا کہ آیات قصاص۔دیگر فقہاء اس قسم کو حجت نہیں جانتے۔

شیخ ابو زہرہ کہتے ہیں کہ اس تیسری قسم کا اختلاف غیر حقیقی ہے کیونکہ ہر مقام کی تصریح اشارۃً یا کنایۃً ہر مقام پر موجود ہے کہ یہ گزشتہ امتوں کے ساتھ خاص تھا یا ہم پر بھی لازم ہے۔[70] علمائے اصول کی تصریح کے مطابق اصل اصول تو تین ہیں،1۔کتاب اللہ 2،سنت رسول 3۔اجماع ان تین کے علاوہ باقی قیاس ہو یا دیگر ذیلی اقسام یہ سب قرآن و سنت کی طرف مراجعت کا ہی ثمرہ ہیں۔قرآن و سنت کے غیر متغیر احکام ہوں یا ان کی روشنی میں ہر دور میں پیش آنے والے مسائل،اجماع کی جستجو ہو یا قیاس کا حصول۔تمام کے لئے اجتہاد کی ضرورت پیش آتی ہے۔اس لئے فقہ اسلامی میں اجتہاد کی بہت اہمیت ہے اسی اہمیت کے پیش نظر اجتہاد کا مفہوم،ثبوت اور اجتہاد کی اہلیت کی شرائط سمجھنا اشد ضروری ہے۔

حاصل بحث:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس نے تمام اور قیامت تک آنے والی انسانیت کی زندگی کے تمام شعبوں کی رہنمائی کرنی ہے۔اصل رہنمائی قرآن و سنت میں موجود ہے۔تمام شرعی و دینی علوم کی بنیاد قرآن و سنت ہے۔تمام علوم اسلامیہ حقیقت میں دین اسلام اور قرآن و سنت کے خادم ہیں۔انھیں علوم میں سے ایک علم فقہ اسلامی ہے۔جس نے بطور خادم قرآن و سنت کے احکام اور اصول شرعیہ کا بہت بڑا مورچہ سنبھالا ہوا ہے۔جس نے تمام ادوار میں مسلمانوں کی عبادات، معاملات، معاشرت اور معیشت میں ہمیشہ رہنمائی کی ہے۔فقہ اسلامی ہماری

زندگیوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اسی فقہ سے ہی حلال و حرام، جائز وناجائز، مباح ومکروہ کی پہچان عمل میں آتی ہے۔ اس لئے فقہ اسلامی کا محفوظ ہونا حقیقت میں ہمارے دین کا محفوظ ہونا ہے، ہمارے اعمال کا محفوظ ہونا ہے۔ کیونکہ کون سے احکامات الٰہیہ کب ہماری طرف متوجہ ہورہے ہیں۔ ہم جو عمل سرانجام دے رہے ہیں اس کی دلیل کیا ہے؟علت وحکمتیں کیا ہیں؟اور جس جس شعبہ سے ہم وابستہ ہیں اس حوالہ سے اسلامی رہنمائی کی کیا ہے؟ان سب سوالات کے جواب ہمیں فقہ اسلامی معلوم ہوں گے۔ فقہ دراصل قرآن پاک کی عملی تفسیر اور احادیث کی عملی تشریح ہے اس لیے تاریخ اسلام کے تمام ادوار میں اس پر بہترین ذہانتیں صرف ہوتی رہی ہیں۔ سابقہ فقہاء کرام اور مجتہدین کا پوری امت پر احسان ہے۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ انہوں نے ہمیں ایسا چراغ مہیا کردیا ہے جس کی روشنی سے منزل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے۔ ان حضرات نے ہمیں اپنی منزل کے نشانات بتادیئے ہیں۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ صرف ان کی محنت پر قانع ہوکر نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ ان کے دیے ہوئے چراغ سے روشنی حاصل کرکے عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں۔ حاصل شدہ علم پر قانع ہوکر نہ بیٹھ جائیں بلکہ امت کی خصوصاً نوجوان نسل کی رہنمائی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ جبکہ صورتحال یہ ہے کہ چاروں اطراف باطل قوتوں کی یلغار ہے۔ جدید ٹیکنالوجی کی صدائیں گونج رہی ہیں لوگوں کو راہ راست سے بھٹکانے کے بے شمار اسباب مہیا ہیں ایسی صورتحال میں امت کے زعماء و علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنی قدیم اسلاف کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے امت کو اس جدیدیت کے بھنور میں نہ پھنسنے دیں۔ ان کے شبہات کا ازالہ کریں۔ گویا اب دوہری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قدیم روایات بھی نہ چھوڑیں اور دور جدید کے شبہات کا ازالہ بھی ہو اور مسائل کا حل بھی پیش کیا جائے۔

حوالہ جات

[1] - مسعود بن عمر تفتازانی، **المختصر المعانی** (کراچی: مکتبۃ البشری، 1431ھ)، 3:2

[2] -شہاب الدین آلوسی بغدادی، **روح المعانی** (قاہرہ: دارالحدیث، 1994ء)، 4:1

[3] -الحجر 9:15

[4] - فقہ واصول فقہ کا بیان آگے مستقل فصل میں آرہا ہے۔

[5] -النحل 89:16۔

[6] -الحشر:7:59۔

[7] -حسام الدین محمد بن عمر الاخسکثی، **الحسامی** (لاہور: مکتبہ الحرمین)، 203۔

[8] -ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد البیضاوی ، **منہاج الاصول الی علم الاصول** (بیروت: دارابن حزم، 2008ء)، 24۔

[9]- حافظ شیخ **محمد احمد ملاجیون، نورالانوار**، (لاہور: مکتبۃ الحرمین، 1434ھ)، 13-12۔

[10]- عبید اللہ بن مسعود البخاری الحنفی، صدر الشریعۃ، **التنقیح مع شرح التلویح علی التوضیح** (لبنان-بیروت، دار الکتب العلمیہ 1416ھ)، 1:15۔

[11]- فخر الدین الرازی، المحصول فی علم الاصول (لبنان بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1408ھ)، 1:78۔

[12]- جمال الدین ابو محمد بن حسن بن علی الاسنوی الشافعی، **نهاية السؤل فی شرح منهاج الاصول** (لبنان، بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1402، 1405ھ)، 1:7۔

[13]- قاضی شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن محمد بن حسن المعروف ابن امیر الحاج الحنفی، **التقریر والتحبیر فی علماء الاصل** (لبنان، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1402، 1403ھ)، 1:7۔

[14]- **محمد** بن مکرم بن علی، أبو الفضل، جمال الدین ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى، **لسان العرب** (بیروت: دار صادر، 1414ھ)، 1:89-

[15]- ایضاً، 13:522-

[16]-صدر الشریعہ، **التنقیح مع شرح التلویح علی التوضیح**، 1:16۔

[17]- أبو إسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الفيروزابادي الشيرازي، **اللمع فی اصول الفقہ** (لبنان-بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1424ھ)، 6۔

[18]- شمس الدین، **التقریر والتحبیر فی علم الاصول**: 1:18، 17۔

[19]- النساء: 4:78۔

[20]- التوبہ 9:122۔

[21]- ھود: 11:91۔

[22]- طٰہٰ: 28،27:20۔

[23]- **محمد** بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیر أیفقہ فی الدین، الرقم: 71۔

[24]- البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیر أیفقہ فی الدین، الرقم: 71۔

[25]- **محمد** بن اسماعیل البخاری، ابو عبد اللہ الجعفی، **الجامع الصحیح**: کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلا (، لبنان-بیروت: دار ابن کثیر، 1407ھ،) الرقم: 143، النیسابوری؛ **مسلم** بن الحجاج القشیری، **الجامع الصحیح**: کتاب فضائل الصحابہ، باب الفضائل عبد اللہ بن عباس، الرقم: 6523۔

[26]-عبید اللہ بن مسعود البخاری الحنفی، صدر الشریعۃ (747ھ) التنقيح مع شرح التلويح على التوضيح (لبنان-بیروت، دار الکتب العلمیہ 1416ھ)، 1:34۔

[27]- فخر الدین رازی، **المحصول فی علم الاصول** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1999ء)، 1:11۔

[28]-عثمان بن عمر بن أبي بکر جمال الدین أبو عمرو ابن الحاجب المالکي عضد الدین، **شرح العضد علی مختصر ابن حاجب** (مصر: بولاق مکتبہ الکبریٰ العربیہ 1316ھ)، 1:18۔

[29]-نملہ عبد الکریم بن علی بن محمد، **المھذب فی علم اصول الفقہ القارن** (السعودیہ-الریاض: دار النشر مکتبہ الرشید، 1420ھ)، 391۔

[30]-نملہ، **المذھب فی علم اصول الفقہ المقارن** :37،36۔

[31]-، ابو حسن علی بن ابی علی بن محمد الآمدی الشافعی، **سیف الدین، الاحکام فی اصول الاحکام** (لبنان-بیروت: المکتب الاسلامی)، 1:7۔

[32]-عادل احمد عبد الموجود، علی محمد عوض، **الاشارۃ فی اصول الفقہ للولید الباجی** (السودیہ-الریاض، مکتبہ نزار مصطفیٰ البان، 1168ھ)، 62۔

[33]-صدر الشریعہ، **التنقیح مع شرح التوضیح علی التوضیح**، 1:37۔

[34]-نملہ، **المھذب فی علم اصول الفقہ المقارن**، 39۔

[35]-صدر الشریعہ، **التنقیح مع شرح التوضیح علی التوضیح**، 1:39۔

[36]-نملہ، **المذھب فی علم اصول الفقہ المقارن**، 39۔

[37]-**ماھنامہ برھان** (دہلی: جنوری، 1945ء)، 242۔

[38]-**فقہ اسلامی اصول، خدمات اور تقاضے**، 19-

[39]- **مناقب امام ابو حنیفہ**، 1:393 بحوالہ فقہ اسلامی، 20۔

[40]-ڈاکٹر حمید اللہ، **تاریخ علم فقہ**، 8۔

[41]-**مقدمہ فتاویٰ دار العلوم**، ۷۸۔

[42]-ماہنامہ "**برہان**" دہلی، فروری، 1945ء، 82۔

[43]-ماہنامہ "**برہان**" دہلی، فروری، 1944ء، 82

[44]-مولانا انظر شاہ کشمیری، **نقش دوام** (دیوبند: بیت الحکمت)، ۴۴۱۔

[45]-ابو زہرہ، **اصول الفقہ**، 218۔

[46]- **صحیح مسلم**:4063۔

[47]-ابو الحسن کرخی، **کشف الاسرار**، باب الاستحسان۔3:4۔

[48]-**التلویح علی التوضیح**، الرکن الرابع القیاس، فصل، القیاس جلی وخفی۔162:2۔

[49]-فقہ اسلامی تعارف اور تاریخ، 48۔

[50]-ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی، **سنن دار قطنی**، (بیروت: دار ابن حزم، 2011ء)، رقم: 622۔

[51]-السرخسی، **اصول السرخسی**۔ فصل فی بیان القیاس والاستحسان (حیدر آباد دکن: لجنۃ احیاء المعارف الاسلامیہ، 1414ھ)، 2:203۔

[52]-السرخسی، **المبسوط للسرخسی**، کتاب البیوع (بیروت: دار المعرفۃ، 1409ھ)، 12:139۔

[53]-اصول الفقہ-الاستحسان،265۔

[54]علامہ شاطبی، ابو اسحاق شاطبی، **الموافقات**، کتاب الاجتہاد (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2004ء)، 5:194۔

[55]-**کشف الاسرار**، باب الاستحسان اقسام الاستحسان، 4:6۔

[56]-ڈاکٹر حسین حامد جان، **نظریۃ المصلحۃ فی الفقہ الاسلامی** (قاہرہ: مطبعۃ العالمیہ، 1997)، 588۔

[57]-علامہ بدر الدین زرکشی، **البحر المحیط فی اصول الفقہ** (غردقہ: دار الصفوہ، 1413ھ)، 8:13۔

[58]۔ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، **الاشباہ والنظائر** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1411ھ)، 1:49

[59]۔محمد بن علی شوکانی، **ارشاد الفحول** (ریاض: مکتبہ مصطفی نزار الباز، 1417ھ)، 2:174۔

[60]۔ابو زہرہ، **اصول الفقہ**، 296۔

[61]۔**اصول الفقہ**-المصالح المرسلہ، 283۔

[62]۔ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم بن محمد، **الاشباہ والنظائر** (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1411ھ)، 1:45۔

[63]۔مصطفی زرقاء، **المدخل الفقہی العام** (بیروت: دار الفکر) 1:131-

[64]۔اصول الفقہ، 214۔

[65]۔**الموسوعۃ الفقہیۃ**، وزارت اوقاف ومذہبی امور کویت، 24:276۔

[66]۔احمد بن علی جصاص، **احکام القرآن** (بیروت: دار احیاء التراث العربی 1405ھ)، 2:270۔

[67]۔محمد بن احمد قرطبی، **تفسیر قرطبی** (بیروت: دار التراث العربی)، 2:58۔

[68]۔جصاص، **احکام القرآن**، 3:478۔

[69]۔ابن قیم جوزی، **اعلام الموقعین** (جدہ: دار ابن جوزی، 1443ھ)، 3:108۔

[70]۔**اصول الفقہ**، 387۔